اقبال

”زمیندار“ میں

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
©2002-2006

عبدالکافی ادیب

آزادیِ افکار سے ہے اُن کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبّر کا سلیقہ

www.IqbalCyberLibrary.net
All rights reserved.
©2002-2006

علامہ اقبال شروع سے انجمن حمایتِ اسلام لاہور سے مختلف حیثیتوں میں وابستہ رہے اور انجمن کے سالانہ جلسوں میں اپنی نظمیں پڑھا کرتے تھے جس سے نہ صرف علامہ کے کلام کو شہرت ملی بلکہ انجمن کو علامہ کے طفیل بڑی شہرت و توقیر نصیب ہوئی۔

۱۲ نومبر ۱۸۹۹ء کو پہلی مرتبہ علامہ اقبال انجمن کے انتظامیہ کے رکن منتخب ہوئے اور اگلے سال یعنی ۲۴ فروری ۱۹۰۰ء کو انجمن کے پندرہویں سالانہ جلسے میں شریک ہو کر انہوں نے انجمن کے پلیٹ فارم سے اپنی معروف نظم "نالۂ یتیم" سنائی۔ ۲۴ فروری ۱۹۰۱ء کو انہوں نے انجمن کے سالانہ جلسے میں اپنی نظم "دردِ دل" پڑھی۔ اسی طرح ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء کو جلسے میں انہوں نے اپنی نظم "اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں کو" کے عنوان سے پڑھی جس پر صدرِ جلسہ میاں نظام الدین سب جج راولپنڈی نے آپ کو پنجاب کے "ملک الشعراء" کا خطاب دیا۔ اگلے سال یعنی یکم مارچ ۱۹۰۳ء کو انہوں نے جلسے میں نظم "فریادِ اُمت" پڑھی۔

۶ اپریل ۱۹۱۱ء کو انجمن کے سالانہ جلسے میں بزرگوار شیخ نور محمد کی موجودگی میں علامہ اقبال نے اپنی نظم "شکوہ" پڑھی۔ اس نظم پر مختلف اخبارات میں بحث کا سلسلہ چھڑ گیا۔ "ہفت روزہ" زمیندار" لاہور (۵ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو جنگِ بلقان چھڑ جانے کے بعد اسے روزانہ یعنی روزنامہ بنا دیا گیا تھا) کے شمارہ کے صفحہ اول پر اس نظم (شکوہ) کے بارے میں مدیر نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

"ناشناس کی تحسین جی تک جلا دیتی ہے چہ جائیکہ وہ اپنے آپ کو نکتہ سنج

و نکتہ داں سمجھ کر واد و انتقاد بشکل نفرین دے۔ ایسی حالت میں اگر بیچارے شاعر کے جسم کے حصۂ اسفل کا رواں رواں جل کر کلا بتون ہو جائے، مقام تعجب نہیں۔
ہمارے دوست ڈاکٹر محمد اقبال نے "شکوہ" کے عنوان سے ایک نظم لکھی اور انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں پڑھی۔ سب سے پہلے "پنجاب ریویو" نے اس نظم کو اپنے اوراق کا سرمایۂ آرائش بنایا۔ اس کے بعد ملک کے اکثر اسلامی اخبارات رسالہ جات میں یہ نظم گشت لگاتی رہی۔
سب نے اس کو متحیر البیان اور متفق اللسان ہو کر سراہا اور اس کو ان لفظی و معنوی محاسن کا مجموعہ سمجھا جو اعلیٰ درجہ کی شاعری کی جان سمجھے جاتے ہیں۔ اس نظم کا ہر شعر پڑھ کر ارباب ذوق سلیم سر دھنتے تھے۔ خود ہم پر اس کے مطالعے سے ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور اگر فلھم من الہی کی عبا ہمارے پیچ میرز کندھوں کے حصول میں آئی ہوتی تو بلاشبہ اس پیغام الہٰی کا القا ہمارے قلب پر بطور ایک آسمانی نشان کے ہوا ہوتا کہ مصرعہ "شکوہ اللہ سے (خاکم بدہن) ہے مجھ کو" میں جملہ 'خاکم بہ دہن' دربار احدیت میں ایسا مقبول ہوا کہ اقبال کے تمام اگلے پچھلے گناہ دھو ئے گئے اور وہ خاصان خدا میں سے ہو گیا......"

۲. اکتوبر ۱۹۱۱ء کو اٹلی نے ترکی پر غاصبانہ حملہ کیا جس سے تمام عالم اسلام میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ اس سلسلے میں مختلف مقامات پر جلسے ہوئے اور قراردادوں کے ذریعے اپنے غم و غصے کا اظہار کیا۔ ۶ / اکتوبر کو لاہور میں منعقدہ جلسہ میں علامہ اقبال نے اس موقع پر تقریر کی اور اپنی ایک نظم بعنوان "سبز گنبد والے شہنشاہ کے حضور میں خونِ شہدا کی نذر" پڑھی جو "زمیندار" کے ضمیمۂ خصوصی کے دس اکتوبر کی اشاعت میں درج ذیل تمہیدی الفاظ کے ساتھ شائع ہوئی۔

"۶/ اکتوبر والے جلسہ میں ہمارے دوست ڈاکٹر محمد اقبال نے دوسرے ریزولیوشن کی تحریک کرتے وقت ایک نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی تھی اور بعد میں ایک نظم بھی پڑھی تھی جو خاص اس موقع کے لیے لکھی گئی تھی۔ تقریر کا خلاصہ ہم اشاعت فردا میں درج کریں گے۔ آج ہم نظم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اس نظم نے

سامعین کے قلوب پر جو اثر کیا اور خصوصاً اس کے اس آخری شعر میں ؎

جھلکتی ہے تیری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

نے دلوں میں جو درد کی کیفیت پیدا کر دی اس کا اندازہ ناظرین خود اس کے مطالعہ سے کر لیں گے۔"

---

۲۴ دسمبر ۱۹۱۱ء کے شمارے میں صفحۂ اول پر علامہ کی دعائیہ نظم چھپی ہے ؎

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

---

۲ جنوری ۱۹۱۲ء کے 'زمیندار' میں صفحۂ اول پر ترجمان اسلام ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا کی نظم "نوید صبح" چھپی جس کا پہلا شعر یوں ہے ؎

آتی ہے مشرق سے جب ہنگامہ در دامن سحر
منزل ہستی سے کر جاتی ہے خاموشی سفر

---

۶ اپریل ۱۹۱۲ء کو انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں علامہ اقبال نے اپنی نظم "شمع اور شاعر" پڑھی۔ حسب معمول زمیندار نے اس نظم کو ۱۱ اپریل کی اشاعت کے صفحۂ اول پر اس عنوان سے جگہ دی۔

"پیغام سروش میں شمع اور شاعر کا مکالمہ" مدیر نے اس نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

""گروہ علماء شعر میں وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں جو اقوال کے ذریعہ سے اہل زمانہ کے خیالات و جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ عالم، ناصح، فلاسفر بھی اگرچہ ہمیشہ جچی تلی بات کہتے ہیں مگر اس کا اثر جلدی نہیں ہوتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نظر وسیع ہوتی ہے۔ وہ آج کے پیش آمدہ واقعہ سے کل کے نتیجہ کی طرف غور کرنے کے خوگر ہوتے ہیں۔ اثر ان کے قول کا بھی ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے اور ایک عرصۂ دراز تک قائم رہتا ہے مگر شاعر اپنی زبان سے جو

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved ©2002-2006

کچھ کہتا ہے اگر اس میں اثر کی قوت مضمر ہو تو دنیا میں آگ لگ سکتی ہے اور بندوق کی گولی کی طرح نشانہ فوراً اُڑ جاتا ہے۔ عربوں کی رجز خوانی چشم زدن میں ہزار ہا بندگانِ خدا کے گلے کٹوا دیا کرتی تھی۔ اور آج طرابلس میں بھی اس رجز خوانی یا شاعری کی بدولت عربوں میں وہ جوش و خروش پیدا ہو گیا ہے کہ اپنے سے کئی گنا فوج پر ہر معرکے میں مظفر و منصور رہتے ہیں۔ مگر دوسرے لوگوں پر کلام کے ذریعے سے اثر ڈالنا ہر شخص کا کام نہیں۔ اس میں وہی شاعر کامیابی حاصل کر سکتا ہے جو زمانہ کی رفتار پر نظر رکھے اور اس کے مطابق اپنے توسنِ فکر کو گرم جولاں کرے۔ اس قسم کے زمانہ شناس شاعروں میں ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایک پایۂ خاص رکھتے ہیں۔ اس سے پیشتر جذباتِ حسن و عشق کی ترجمانی کا حق فصیح الملک داغ مرحوم کمال خوبی و خوش اسلوبی سے ادا کر گئے ہیں اور ان کی زبان سے وہی بات نکلتی تھی جو عاشق مزاجوں کے دل میں ہوتی تھی۔ ڈاکٹر اقبال نے داغ کی تعریف میں بالکل ٹھیک کہا ہے ؎

تھی زبانِ داغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے

مگر اقبال کی شاعری داغ کی شاعری سے مختلف ہے۔ داغ مرحوم حسن و عشق کے نظر فریب گلشن میں گل چینی کرتے تھے۔ تو ڈاکٹر اقبال انسان کے پاک ترین قومی و مذہبی جذبات کے چمنستان کی سیر میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے کلام کے ذریعہ سے اس کے وہ نقش و نگار سامعین و ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ دیکھ کے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

گزشتہ سال ڈاکٹر اقبال نے انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں ایک نظم موسوم بہ "شکوہ" تھی جو مقبولیتِ عامہ کی حیثیت حاصل کر چکی ہے، اب کے انہوں نے اس سے بھی ایک بلیغ و معنی خیز نظم "شمع اور شاعر" کے عنوان سے حاضرین کو سنائی۔ ڈاکٹر اقبال کا کلام کسی تعریف و تشریح کا محتاج نہیں، انہوں نے اس نظم میں اسلام کے حال و ماضی کا نقشہ کھینچ کے رکھ دیا ہے۔ مصرع مصرع میں وہ معانی و مطالب مخفی ہیں کہ ان پر جس قدر زیادہ غور کیا جائے، مفہوم وسیع ہوتا چلا جائے گا۔ ہم اس طویل نظم کے صرف تین بند درج ذیل کرتے ہیں۔

مکمل نظم انجمنِ حمایتِ اسلام لاہور نے خاص اہتمام سے عمدہ کاغذ پر نفیس و دیدہ زیب خط میں چھپوائی ہے اور آٹھ آنہ میں زمیندار کے دفتر سے دستیاب ہو سکتی ہے اس کی فروخت کا سب روپیہ انجمن کے ذریعہ سے قومی کام میں صرف ہوگا۔ اس لیے ہمیں امید ہے کہ ہمارے ناظرین اس کی خریداری کے لیے بہت جلد ہاتھ بڑھائیں گے۔ پہلا بند:

پہلا شعر — آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تُو، کھیتی بھی تُو، باراں بھی تُو، حاصل بھی تُو

آخری شعر — بے خبر! تو جوہر آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

دوسرا بند پہلا شعر — اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل، کہ تُو
قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے

آخری شعر — راز اس آتشِ نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

تیسرا بند پہلا شعر — آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

آخری شعر — شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

"پیغامِ سروش کی تمہید" کے عنوان سے ایڈیٹر زمیندار اپنی ۱۶ اپریل ۱۹۱۲ کی اشاعت میں رقمطراز ہے

"یک شنبہ کے روز انجمنِ حمایتِ اسلام کا وہ اجلاس جس میں ڈاکٹر محمد اقبال نے اپنی نظم پڑھی، بلحاظ حاضرین کی کثرتِ تعداد اور باعتبار اس جوش آمیز اشتیاق کے تجسس کا اظہار اس نظم کے خیر مقدم کے طور پر سامعین کی طرف سے ہوا، انجمن کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس نظم کا عنوان اگرچہ "شمع اور شاعر" قرار دیا ہے لیکن انہیں کے الفاظ میں اس نظم کا حقیقی عنوان "پیغامِ سروش" ہونا چاہیے۔ اس پیغام کو فقیر سید افتخار الدین

صاحب کی صدارت میں مسلمانوں تک پہنچانے سے قبل چند لطیف اشعار برسبیلِ تفنّنِ طبع ڈاکٹر صاحب نے خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب مشیر مال ریاست بہاول پور کی صدارت میں حاضرین کو سنائے تھے۔ "پیغام سروش" پر ہم کل کی اشاعت میں ریویو کریں گے۔ سردست ہم یہ اشعار ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

(۱)

تو قیس اگر نہیں، بَن سے کیا کام
گر جیب میں زر نہیں تو زن سے کیا کام
مسلم کی بنائے قومیت ہے اسلام
مسلم ہے جو تُو پھر وطن سے کیا کام

(۲)

ہم نشینِ بے ریائم از رہِ اخلاص گفت
اے کلامِ تو فروغِ دیدۂ برنا و پیر
در میانِ انجمن معشوقِ ہرجائی مباش
گاہ با سلطان باشی گاہ باشی با فقیر
گفتمش اے ہم نشیں معذور می دارم ترا
در طلسمِ امتیازِ ظاہری ہستی اسیر

من کہ شمعِ عشق را در بزمِ دل افروختم
سوختم خود را و سامانِ دوئی ہم سوختم

---

۱۶ مئی ۱۹۱۲ء کے شمارہ کے صفحہ اول پر ڈاکٹر علامہ اقبال کی نعت "رسولِ اکرم صلعم" چھپی ہے۔ پہلا شعر ہے نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے، پردۂ میم کو اٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں، ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

آخری شعر ؎
خیال راہ عدم سے اقبال تیرے در پر ہوا ہے حاضر
بغل میں زاد عمل نہیں ہے، صلہ میری نعت کا عطا کر

---

۲۳ مئی ۱۹۱۲ء صفحہ اول پر ایڈیٹر زمیندار "کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق" کے عنوان سے رقمطراز ہیں:

"ڈاکٹر محمد اقبال کی بلیغ نظم جو انہوں نے انجمن حمایت اسلام کے گزشتہ سالانہ اجلاس میں پڑھی تھی، اس امید پر انجمن کی نذر کی گئی تھی کہ وہ سخن سنج جو ڈاکٹر صاحب کے کلام کی رنگینیوں پر لوٹ ہیں، اس بے مثل نظم کی سرپرستی کا حق ادا کریں گے جس کا ایک ایک شعر اشرفی کو بھی سستا ہے اور اس طور پر انجمن کو ایک معقول رقم ہاتھ آجائے گی۔ ہمارے سپرد یہ خدمت کی گئی تھی کہ زمیندار ہی وقتاً فوقتاً اس مطبوعہ نظم کا ذکر کرکے اپنے ناظرین کو اس کی خریداری کا شوق دلاتے رہیں۔ یہ خدمت ہم نے بخوشی انجام دی ہے، لیکن اس کا جو صلہ کہ ہم کو یعنی انجمن کو ملنا چاہیے، وہ نہ مل سکا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس وقت پانچ ہزار کاپیوں میں سے جو انجمن نے چھپوائی تھیں، ایک بھی باقی نہ بچی رہتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی نصف سے زائد نسخے بچے ہوئے ہیں۔ ہم نے اس خیال سے کہ اس نظم کے قدردانوں کا شعلۂ اشتیاق خاص حد تک کہ اس اشتیاق کو نظم کی خریداری سے تعلق ہے، افسردہ نہ ہونے دیا جائے بھی تک یہ نظم تمام وکمال زمیندار میں چھاپی بھی نہیں لیکن چونکہ خریداری کی درخواستوں کے ایصال کی رفتار بہت سست ہو رہی ہے اس لیے اس شعلہ کو بھڑکانے کے لیے ہم دو بند اور مفت میں نذرِ ناظرین کرتے ہیں۔"

---

۲۲ جون ۱۹۱۲ء کے زمیندار کے صفحہ اول پر علامہ اقبال کی ایک اور نظم "نوائے غم" کے عنوان سے چھپی ہے۔

پہلا شعر ؎
زندگانی ہے میری مثل رباب خاموش
جس کی ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبریز آغوش

آخری شعر: جس طرح رفعتِ شبنم ہے مذاقِ رم سے
میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے

---

۱۱ اگست ۱۹۱۲ء کے شمارے میں "شفاخانۂ حجاز" چھپی۔ ایک بند ملاحظہ ہو۔

ایک پیشوائے قوم نے اقبال سے کہا
کھلنے کو جدہ میں ہے شفاخانۂ حجاز
ہوتا ہے تیری خاک کا ہر ذرہ بے قرار
سنتا ہے تو کسی سے جو افسانۂ حجاز

---

۲۹ نومبر ۱۹۱۲ء کے اخبار میں علامہ اقبال کا ایک خط ایڈیٹر زمیندار کے نام چھپا ہے اور ساتھ ہی مولوی جسٹس شاہ دین جج عدالتِ عالیہ پنجاب کی ایک نظم "عدن" بھی۔ ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں:

"مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب زمیندار

"عدن" کے نام سے جناب آنریبل مولوی جسٹس شاہ دین صاحب جج عدالتِ عالیہ پنجاب کی نظم جو نہایت معنی خیز ہے، اتفاق سے میرے ہاتھ آگئی ہے۔ یہ نظم جس کو اشاعت کے لیے آپ کی خدمت میں ارسال کرتا ہوں، مولوی موصوف نے ۱۵ اگست ۱۹۱۲ء کے روز لکھی تھی جبکہ وہ ولایت تشریف لے جا رہے تھے "عدن" دیکھ کر ان کے قلب میں ان تمام روایات کی یاد تازہ ہو گئی جو اس سرزمین کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان چند اشعار میں ایک جوہر مسلمان کے دل میں خوابیدہ یا بیدار رہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ نظم نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائیگی

محمد اقبال"

نظم کا پہلا بند: نہیں گو لائقِ توصیف منظر اے عدن تیرا
مگر تو ہے عرب میں اور یہی ہے بانکپن تیرا
مسلماں کی نظر میں پھول ہے خارِ چمن تیرا
زبان شیریں تیری اور مرغوب اندازِ سخن تیرا

پہاڑوں میں تیرے غارِ حرا کا راز پنہاں ہے
کہاں وہ بابِ حائل ہے کہ تو اک جس کا دربان ہے

۶ جون ۱۹۱۳ء کے زمیندار میں شہرۂ آفاق نظم "فاطمہ بنتِ عبداللہ" ایک عرب لڑکی جو معرکۂ طرابلس میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی کے عنوان سے چھپی۔ یہ نظم بانگِ درا میں موجود ہے

پہلا شعر: فاطمہ! تو آبروئے ملتِ مظلوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

آخری شعر: جن کی تابانی میں انداز کہن بھی، نو بھی ہے
اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتو بھی ہے

لندن میں مقیم علامہ اقبال کے ایک مداح کمال الدین نے ۲۰ جون ۱۹۱۳ء کے زمیندار میں ایک خط لکھا۔ "اقبال سے دو باتیں" کے عنوان سے وہ لکھتے ہیں۔

"اقبال! خدا تجھے بااقبال کرے تیری نظمیں اچھی، تیرے دل میں درد ہے تو اظہارِ درد میں یہ پیچیدہ راہیں کیوں اختیار کر رہا ہے۔ ان بندھنوں کو توڑ جو طائرِ روح کو قفس میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اپنے اشعار کی داد اپنی قوم سے لے لینا میرے نزدیک .... انگریزی نظم لکھ لینا بھی کچھ مشکل کام ہے جبکہ تجھ جیسا طالع ہو۔ کچھ ان سے کہا جو آزادی کے قدر شناس ہیں، کبھی پیچ در پیچ اردو بھی فارسی، اس لیے کہ ان کی مگر تو پھر کیا طائرِ بالا پرواز کو پرواز نہیں آتی۔ تو تو "وطن" کا دشمن ہے، دو سال ہوتے انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسہ میں تُو تو وطن کو گالیاں دیتا تھا۔ اب کیوں وطن پرست ہو گیا۔"

۲۴ مئی ۱۹۱۳ء کمال الدین معرفت نیشنل بنک آف انڈیا لندن نمبر ۲۶

www.IqbalCyberLibrary.net

اقبال اکبر کے رنگ میں

۲۹ اپریل ۱۹۱۴ء کے شمارے میں جلی حروف میں مندرجہ بالا عنوان سے ڈاکٹر اقبال کے طنزیہ اشعار کے بارہ قطعات مدیر "زمیندار" کے تقریظ کے ساتھ چھپے۔

"حسبِ وعدہ ہم آج ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب بیرسٹرایٹ لا کی اس طویل نظم کا ایک حصہ درج کرتے ہیں جو انہوں نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں سنائی تھی۔ ان اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اقبال قوم کو ہر رنگ میں جھلک دکھانے کی قدرت رکھتا ہے۔

چند قطعات:

مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں
مغرب میں مگر مشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے
واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِ نظر
وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

"اقبال اکبر کے رنگ میں" کی اشاعت سے علامہ اقبال اور زمیندار کے مابین شکر رنجی ہوگئی۔ ایڈیٹر "زمیندار" نے یکم مئی ۱۹۱۴ء کی اشاعت میں صفحہ نمبر ۲ پر اپنا وضاحتی بیان شائع کیا۔

"زمیندار، اقبال اور دیش"

ڈاکٹر اقبال نے انجمنِ حمایتِ اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں اپنی نظم ۱۱ اپریل کی شام کو

پڑھی تھی۔ ۱۲ اپریل کو زمیندار کا ایک نمائندہ نظم لینے گیا، تو ڈاکٹر صاحب نے اس سے فرمایا کہ میرا کلام زیر ترتیب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک آدھ نظم اس میں ایسی ہو جو اب تک کہیں نہیں چھپی۔ اس لیے اگر یہ نظم اخبارات میں نہ چھپے تو اچھا ہے۔ جواب سن کر نمائندہ زمیندار بےنیل مرام واپس چلا گیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کی پوری نظم ایک رپورٹر کے ذریعے سے زمیندار کے پاس پہنچ گئی۔ چونکہ ادھر ڈاکٹر صاحب زمیندار کے نمائندہ سے مندرجہ بالا خیالات فرما چکے تھے۔ ادھر ہم یہ وعدہ کر چکے تھے کہ پوری نظم تو مجموعۂ کلام اقبال میں ناظرین کی نظر سے گزرے گی، البتہ اس کے چند اشعار بطور نمونہ کسی آئندہ اشاعت میں درج کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ ۲۹ اپریل کو زمیندار کے پہلے صفحہ پر ۳۱ شعر چھاپ دیئے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے ۳۰ اپریل کے "دلیش" میں یہ چھپوایا کہ زمیندار میں اپنے اشعار پڑھ کر مجھے سخت تعجب ہوا کہ وہ زمیندار تک کس طرح پہنچ گئے۔ شاید اخبار مذکور کا کوئی رپورٹر جلسہ میں موجود ہوگا جس نے بعض قطعات لکھ لیے ہوں گے۔ تعجب ہے کہ میں لاہور میں موجود تھا۔ زمیندار والوں سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اشعار مذکور میں اصلاح سے قبل مجھ سے دریافت فرما لیتے۔

اس کے بعد "دلیش" کے ایڈیٹر صاحب سے ان الفاظ میں اشاعت اشعار کی استدعا کی گئی ہے کہ اگر آپ کے اخبار میں ان سب اشعار کے لیے گنجائش نہ ہو تو کم از کم وہ اشعار چھاپ دیجئے جن کے اغلاط میں نے درست کر دیئے ہیں۔

"دلیش" میں یہ خط اور اشعار پڑھ کر ہمیں حیرت ہوئی۔ وہ ڈاکٹر اقبال کے اس تعجب سے یقیناً زیادہ ہے جو انہیں زمیندار میں اپنے اشعار دیکھ کر ہوا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے ہم پر یہ الزام لگایا ہے کہ ہم نے اُن کے کلام میں اصلاح دے دی ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے ایک لفظ تو کیا ایک نقطہ کا بھی تصرف نہیں کیا۔ رپورٹر کے دیئے ہوئے اشعار بجنسہٖ درج کر دیئے تھے۔ اب اغلاط کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ زمیندار میں ڈاکٹر اقبال کی نظم کے ۳۱ شعر شائع ہوئے۔ "دلیش" میں ۲۹ موجود ہیں۔ ہم نے زمیندار اور دلیش کے اشعار کو کئی مرتبہ پڑھ کر دیکھا۔ ۱۹ اشعار میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوا۔ دس اشعار میں قدرے تفاوت نظر آیا جس کی کیفیت حسبِ ذیل ہے۔

مطبوعہ زمیندار

خفیہ پولیس میں جب سے ایک حد ہوئی ہے قائم
خدا واحد ہے ناظم ہیں دو اپنے
دل چاہتا تھا اپنا کہ کردل پیش کیجئے
بولا زمانہ ایسا کر لڑکا بس سبق
انتہا بھی ہے کوئی آخر، خریدیں کب تلک
اپنی غفلت کی اگر ہم نے نہ لی کچھ بھی خبر
واں جام بلوریں ہیں سارے، یہاں ایک پرانا مٹکا ہے
اس دور میں سب مٹ جائیں گے پر زندہ رہے گا باقی وہ
جو قائم اپنی راہ پہ ہے جو پورا اپنی ہٹ کا ہے
گردوں نے کیسی بلندی سے قوموں کو دے ٹپکا ہے۔

مطبوعہ دیش

خفیہ پولیس جیسے اک حد ہوئی ہے قائم
خدا واحد ہے دو ناظم ہیں اپنے
دل چاہتا تھا ہدیۂ عمل پیش کیجئے
بولا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تلک
اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی
واں کنز سب بلوریں ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے
اس دور میں سب مٹ جائیں گے، ہاں باقی وہ رہ جائے گا
جو قائم اپنی راہ پہ ہے جو پکا اپنی ہٹ کا ہے۔
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے ٹپکا ہے۔

ممکن ہے، زمیندار کے رپورٹر کو اس وقت وہی الفاظ یاد رہے ہوں جو زمیندار میں شائع ہوئے ہیں۔ لیکن اس فروگزاشت کی اصلاح زمیندار کے ذریعہ سے بھی ہو سکتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے "دیش" کے ایڈیٹر کو ناحق تکلیف دی۔ بہر حال ہمیں افسوس ہے کہ ہماری وجہ سے

ڈاکٹر صاحب کو ایسی ناگوار زحمت اٹھانی پڑی جس کے ہم خوگر نہیں تھے۔ خیر یہ تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اب کیا فرماتے ہیں جناب ڈاکٹر صاحب بہادر، اپنی نظم کے اس باقی حصہ کی نسبت جو ہمارے پاس موجود ہے اور اب تک شائع نہیں ہوا۔ اور ہم اسے چھاپیں یا نہ چھاپیں۔ اس کی سب سے آسان اور بہتر صورت تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنی نظم کا باقی حصہ خود نقل کرا کر ہمارے پاس بھیج دیں ورنہ قوم کی تمام خواہش اور اقبال کی شہرت و مقبولیت کو مدنظر رکھ کر ہمیں تو وہ نظم لامحالہ چھاپنی ہی پڑے گی۔ مبادہ کوئی مصرعہ کسی قدر تغیر و تبدل سے چھپ گیا تو بعد میں ڈاکٹر صاحب "دلیش" کے ذریعہ سے اس کی اصلاح فرماتے رہیں۔

---

۱۰ مئی ۱۹۱۲ء کے شمارے میں صفحہ ۲ پر ایڈیٹر زمیندار نے "زمیندار اور اقبال میں کوئی اختلاف نہیں" کے عنوان سے ایک وضاحتی نوٹ شائع کی۔

"۲۹ اپریل کے زمیندار میں ڈاکٹر محمد اقبال صاحب بیرسٹر بار ایٹ لاء کی نظم کا جو ایک حصہ اخبار میں شائع ہوا تھا جس کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے ۳۰ اپریل کے اخبار "دلیش" میں بعض اشعار کی تصحیح فرمائی تھی۔ اس کی بناء پر بعض حلقوں میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اکثر اصحاب کا خیال ہے کہ زمیندار اور اقبال میں کچھ شکر رنجی ہو گئی ہے ورنہ ڈاکٹر صاحب اپنا مضمون "دلیش" میں ہرگز نہ چھپواتے اور زمیندار کو ان کے شکوہ شکایت کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے۔ زمیندار کو ڈاکٹر صاحب سے کوئی شکایت نہیں۔ اخبار میں ان کی نظم کے متعلق جو کچھ لکھا گیا وہ دراصل ایک شاعرانہ گفت و شنید تھی۔ بعض بہانہ جو طبائع اس سے جو مختلف معانی پیدا کر رہے ہیں، ان کی حقیقت میں کوئی بنیاد نہیں۔ زمیندار ڈاکٹر صاحب کا اب بھی ویسا ہی قدر شناس ہے جیسے پہلے تھا، اور ڈاکٹر صاحب بھی زمیندار پر وہی نظر توجہ رکھتے ہیں جو پہلے دن سے چلی آتی ہے۔

---

۲۰ مئی ۱۹۱۲ء کے شمارہ میں صفحہ تین پر "لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی" کے عنوان سے زمیندار نے لکھا۔

"ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب نے انجمنِ حمایتِ اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں جو طویل نظم سنائی تھی، اس میں تین اشعار کا ایک یہ قطعہ بھی شامل تھا۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈلی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغرب ہے مدِّ نظر وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اس پر بعض حلقوں میں مختلف چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں بلکہ دفتر زمیندار میں اس کے برخلاف ایک آدھ مضمون بھی موصول ہوا ہے۔ چونکہ زمیندار اس مسئلہ کے متعلق سال گزشتہ میں ایک مسلسل و مطوّل سلسلہ مضامین شائع کر چکا ہے جس میں وہی خیال ظاہر کیا گیا جو ڈاکٹر اقبال نے اب ان اشعار میں موزوں کر دیا ہے اس بناء زمیندار ڈاکٹر اقبال کی رائے سے پورا اتفاق رکھتا ہے۔ جو اصحاب لڑکیوں کی انگریزی تعلیم کے لیے حامی ہیں وہ ذرا لاہور کے اُس واقعۂ دردناک کو چشم بصیرت کھول کر دیکھیں اور پھر ہمیں بتائیں کہ موجودہ صورت حال میں لڑکیوں کی انگریزی تعلیم پر زور دینا ملک و قوم کے لیے کس حد تک مفید و نافع ہو سکتا ہے۔"

یہ واقعۂ دردناک لاہور میں قائم کیتھولک پادریوں کے قائم کردہ ایک مدرسہ "بیکرڈ سکول" میں زیر تعلیم مسلمان اور ہندو طالبات کا ہے جنہوں نے بعد میں عیسائیت قبول کر لی تھی اور اس واقعے پر تشویش کی لہر دوڑی تھی۔

---

۲۰ مئی ۱۹۱۲ء کے شمارے میں مراسلات کے صفحے پر ڈاکٹر اقبال کے ایک مداح بدرالدین قیصری وکیل زیرہ ضلع فیروزپور کا خط چھپا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جناب ایڈیٹر صاحب زمیندار! تسلیم! زمیندار میں ایک اخبار نویس کی رائے ڈاکٹر اقبال کی شاعری کی نسبت پڑھ کر حیرت ہوئی کہ ہندوستانی اردو اور پنجابی اردو کا نزاع جو بہت پہلے طے ہو چکا تھا، اس کے نام لیوا اور مجید دابھی باقی ہیں۔ اس سے بھی زیادہ حیرت اس امر پر ہوئی کہ "ہندوستان ہمارا" کا شمار ڈاکٹر اقبال کی دوسب سے اعلیٰ نظموں میں کیا جائے۔ اگر اعلیٰ نظم کا معیار یہ ہے کہ وہ ہارمونیم، طبلہ اور سارنگی پر گائی جائے تو شاید یہ رائے درست ہو لیکن

اگر جذبات کے اظہار خیالات کی گراں مائیگی، الفاظ کی موزونیت، بندش کی چستی اور تخیل کی بلند پروازی کو مدنظر رکھا جائے جو ڈاکٹر اقبال کی طبع بلند کا خاص شیوہ ہے تو شاید "ہندوستان ہمارا" آپ کی ادنیٰ نظموں میں بھی شمار نہ ہو۔ "ابر کوہسار" "شمع"، "ایک آرزو"، "تصویر درد" اور "شمع اور شاعر" ڈاکٹر اقبال کی ایسی نظمیں ہیں جن پر عقد ثریا کو نثار کر دیا جائے تو بجا ہے۔ بلکہ "شمع" تو آپ نے خاص الخاص انداز میں لکھی ہے اور اس میں آپ کی شاعری کا اصلی رنگ جلوہ گر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے حضرات ابھی ڈاکٹر اقبال کی شاعری کی اصلیت سے ناواقف ہیں۔ اور اگر ڈاکٹر صاحب ناصر علی سرہندی کے ہمراہ شکوہ پیرا ہوں تو بیجا نہ ہوگا۔

علی زیں مردہ طبعاں ہیچکس شعرم نمے فہمد
بر یونان مے فرستم ایں بہ احیائے فلاطونی

آپ نے جو نظم اب کے انجمن میں پڑھی وہ بلاشبہ حضرت اکبر الٰہ آبادی کے رنگ میں ہے۔ لیکن اس سے آئندہ کے واسطے پیشین گوئی کرنا اور یہ کہنا کہ آپ حضرت اکبر کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں، ظلم ہے۔ اکبر و اقبال اپنے اپنے رنگ کے بادشاہ ہیں۔ حضرت ناسخ مرحوم نے ایک غزل کہی تھی ؎

جنوں، پسند ہے چھاؤں مجھے ببولوں کی
عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی

یہ ساری غزل خواجہ آتش کے رنگ میں ہے۔ حضرت داغ مغفور کی ایک غزل ہے ؎

دیکھو جو مسکرا کے تم آغوش نقش پا
گستاخیاں کرے لب خاموش نقش پا

یہ غزل حضرت نصیر مغفور کے عہد کی "مگس کی تیلیاں" اور "محل کی مکھی" کے قافیوں کی یاد دلاتی ہے۔ لیکن ان غزلوں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ شیخ ناسخ خواجہ آتش کے پیرو ہو کر اپنا رنگ چھوڑ بیٹھے یا حضرت داغ حضرت نصیر کے پیرو ہو کر آئندہ کے لیے انہیں کے نقش قدم پر چلیں گے اور مکھی پر مکھی ماریں گے، قرین قیاس نہیں ہے بلکہ محض غلط ہے۔ بعض شعرا ایسے بھی ہیں کہ ان کا اپنا رنگ کوئی بھی نہیں

جس شاعر کے انداز میں چاہیں شعر کہیں گے اور بعض اوقات ایسا کہیں گے کہ مبصرین کو بھی دھوکا ہو جائے مثلاً احمد حسن صاحب، شوکت میرٹھی کہ میر و دلی سے لے کر اقبال کے رنگ میں اس طرح کہیں گے کہ امتیاز مشکل ہو گا۔

اصل بات یہ ہے کہ اکثر ایک انداز سے شاعر کی طبیعت گھبرا جاتی ہے اور نئے میدان کی آرزومند ہوتی ہے۔ حضرت اقبال نے جو اکبر کے رنگ میں لکھا تو یہ آپ کے طبعِ رسا کی بوقلمونی پر دال ہے نہ یہ کہ آپ اپنی طرزِ خاص چھوڑ کر حضرت اکبر کے پیرو ہو گئے"۔

۱۱ جون ۱۹۱۴ء صفحہ اول پر "اقبال کا کمال" کے عنوان سے ایڈیٹر رقمطراز ہیں:

"لسان العصر خان بہادر مولانا اکبر نے اپنے ایک خط میں لاہور کے مشہور شاعر جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب کے کمال کا بھی اعتراف فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

بلاغت میں جناب حضرتِ اقبال کامل ہیں
معانی اُن کے شاہد ہیں کہ وہ اردو کے بیدل ہیں
اگر بیتابیٔ اکبر میں شرکت کی تو یہ سمجھو
نئے مصلح کی شمشیرِ ادا کے وہ بھی بسمل ہیں

پہلی عالمی جنگ چھڑ جانے کے باعث "زمیندار" میں جنگ سے متعلق خبروں کی بھرمار شروع ہوئی۔ چنانچہ ۱۹۱۷ء کے اختتام تک زمیندار کے صفحات میں علامہ سے متعلق مزید کوئی تحریر نظر نہیں آتی۔